مضطر عباسی ایم اے۔ (مری)

امریکہ اور امریکی سرمایہ دار
جدید استعمار

سامراجیت کے مقاصد اور طریق کار

استعمار عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں آباد کرنا، یا نئی بستی بسانا۔ اصطلاح میں استعمار سے مراد وہ نظام ہے جس میں طاقت ور ملک کے سرمایہ دار اپنی حکومت اور فوج کے ذریعہ کمزور اور پسماندہ ملکوں کے غریب عوام کو لوٹتے ہیں۔ لوٹ کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کمزور ملک کی بیرونی تجارت پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اور قابض یعنی استعماری ملک کے سرمایہ دار مقبوضہ ملک جسے نوآبادی کہا جاتا ہے، سے برائے نام قیمت پر خام مال خریدتے ہیں۔ یہاں کے مزدوروں سے کم اُجرت پر کام لیتے ہیں۔ اور اپنی فالتو پیداوار اس ملک میں اونچے داموں فروخت کرتے اور زائد سرمایہ بلند ترین شرح سود پر قرض دیتے ہیں۔

نوآبادی یعنی مقبوضہ ملک کی بیرونی تجارت استعماری ملک کے قبضے میں ہوتی ہے۔ اس لئے نوآبادی کے غریب عوام استعماری ملک کے سرمایہ داروں کی مرضی ہی سے اپنی خام پیداوار فروخت کرتے ہیں اور قیمت بھی وہی ہوتی ہے جو خریدار مقرر کرتا ہے اسی طرح نوآبادی کے غریب عوام جب ضروریات زندگی کی چیزیں خریدتے ہیں۔ تو مجبور ہوتے ہیں کہ صرف استعماری ملک سے خریدیں اور وہی قیمت ادا کریں جس پر استعماری ملک کے سرمایہ دار راضی ہوں۔ نوآبادی میں چونکہ صنعت وحرفت نہیں ہوتی، اس طرح بیکاری عام ہوتی ہے۔ اور غریب عوام کاروبار کی تلاش میں ملک سے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر استعماری ملک کے سرمایہ دار انہیں اپنے کارخانوں وغیرہ میں برائے نام اُجرت پر ملازم رکھ لیتے ہیں۔ نیز نوآبادی کے غریب عوام کو ضروریات زندگی کی خریداری کیلئے جب رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ استعماری ملک کے سرمایہ دار ہی فراہم کرتے

ہیں جو اونچی شرح پہ سود لیتے ہیں۔ اس طرح نو آبادی کے غریب عوام اور یہاں کے برائے نام خود مختار انتظامیہ معاشی اعتبار سے استعماری ملک کے سرمایہ داروں کی غلام بن جاتی ہے۔ اور یہ غلامی ایسی ہوتی ہے جس سے لمبا اوقات سیاسی آزادی کے حاصل ہو جانے کے بعد بھی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔

پاکستان کی مثال | ۱۹۴۷ء سے پہلے ہمارا ملک برطانیہ کی نو آبادی تھا۔ اور برطانیہ ہمارے حق میں ایک استعماری ملک تھا۔ ہمارے ملک کی بیرونی تجارت برطانیہ کے قبضے میں تھی۔ ہم روئی پیدا کرتے تھے، برطانیہ یہ روئی برائے نام قیمت پہ خرید کر انگلینڈ لے جاتا تھا۔ اور جب ہمیں کپڑے کی ضرورت ہوتی تو اسی روئی کا بنا ہوا کپڑا ہمیں برطانیہ سے خریدنا پڑتا جس کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت ہمارے ملک میں کارخانے نہ تھے اور ہمارے لاکھوں نوجوان بے روزگاری کا شکار تھے۔ برطانوی سرمایہ دار ہمارے ملک میں پھیلی ہوئی عام بے روزگاری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمارے نوجوانوں کو انگلینڈ لے جاتے اور وہاں ان سے ذلیل کام لیکر برائے نام اجرت دیتے۔ مثلاً انہیں کارخانوں میں مزدور لگاتے۔ باربرداری کا کام کراتے۔ کانوں میں کام کرنے پر لگاتے۔ شہروں کی صفائی ڈاک کی تقسیم اور ڈرائیور وغیرہ کی حیثیت کے کام ان سے لیتے اور پھر ایک بڑی تعداد میں ہمارے بیکار نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کر کے افریقہ اور دوسرے براعظموں میں لڑی جانے والی نو آبادیاتی جنگوں میں ان سے سپاہیوں کا کام لیتے جرمنی اور جاپان کی قاہر افواج کی گولیاں کھانے والے بیشتر ہمارے ہی بھائی بند تھے۔ جن کی غربت اور بیکاری کی مجبوریوں سے برطانوی سرمایہ داروں نے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ اس کے علاوہ برطانوی سرمایہ داروں نے اپنا فالتو سرمایہ ہمارے ملک کے نام قرض کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اور اس طرح کروڑوں روپیہ سالانہ سود حاصل کرنے کی راہیں نکال لیں۔

۱۹۴۷ء میں ہم سیاسی طور پہ برطانوی استعمار سے آزاد ہو گئے تھے، لیکن اقتصادی اور معاشی اعتبار سے ہمیں آزادی نہیں ملی تھی۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں بھی ہماری یہ حالت تھی کہ مثال کے طور پہ جو روئی ہم جاپان یا روس وغیرہ ممالک کے پاس گیارہ روپے میں بیچ سکتے تھے وہ ہمیں مجبوراً برطانوی سرمایہ داروں کے ہاتھ صرف ایک روپیہ میں بیچنی پڑتی تھی۔ اسی طرح جو مشین یا دوا وغیرہ ہمیں جاپان یا روس وغیرہ ممالک سے ایک روپیہ میں مل سکتی تھی ہم مجبور تھے کہ وہ مشین یا دوا برطانیہ سے گیارہ روپے میں خریدیں۔ گویا ہمیں خرید اور فروخت دونوں صورتوں میں گیارہ گنا خسارہ برداشت کر کے برطانیہ کے سرمایہ داروں کو خوش رکھنا پڑتا تھا۔ اور سچ پوچھیں تو آج بھی ہم معاشی اعتبار سے آزاد نہیں ہیں، ہمیں جس خام مال کی روس اور چین میں زیادہ قیمت مل سکتی ہے وہ مال کم قیمت پہ ہم برطانیہ اور امریکہ کے ہاتھ فروخت

کرتے ہیں اور جو مصنوعات کم قیمت پر ہمیں روس اور چین وغیرہ ممالک سے مل سکتی ہیں، وہ زیادہ قیمت پر ہم برطانیہ اور امریکہ سے خریدتے ہیں۔ اسی طرح قرض کا معاملہ ہے۔ ہمیں چین اور روس وغیرہ ممالک سے بغیر سود یا کم شرح سود پہ قرض مل سکتا ہے، لیکن ہم مغربی بلاک سے اونچی شرح سود پہ قرض لیتے ہیں۔

امید ہے ان معروضات اور خاص کر پاکستان کی مثال سے استعمار کا مفہوم واضح ہو گیا ہوگا۔

ذیل کے نکات ذہن نشین فرمالیں۔

۱۔ استعمار سے مراد وہ نظام ہے جس میں طاقتور ملک کے سرمایہ دار کمزور ملکوں پہ قبضہ کر کے انہیں معاشی اعتبار سے لوٹتے ہیں۔

۲۔ جس ملک پر استعماری ملک قبضہ کر کے اسے لوٹتا ہے اسے نوآبادی کہا جاتا ہے۔

۳۔ نوآبادی سے استعماری ملک کم قیمت پہ خام مال خریدتا ہے۔ اور اپنی مصنوعات نوآبادی میں اونچے داموں فروخت کرتا ہے۔

۴۔ استعماری ملک نوآبادی سے کم اُجرت پہ مزدور اور سپاہی حاصل کرتا ہے۔

۵۔ استعماری ملک کے سرمایہ دار اپنا فالتو سرمایہ نوآبادی کو اونچی شرح سود پہ قرض دیکر نفع کماتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ استعماری ملک کے سرمایہ دار اپنا فالتو سرمایہ نوآبادی میں، کاروبار پر لگاتے ہیں اسے سرمایہ کاری کہتے ہیں، جس طرح برطانوی سرمایہ داروں نے ہمارے ملک میں ریلوے، نہروں اور چائے کے باغات پہ سرمایہ لگا رکھا تھا۔

استعمار کا فلسفہ: یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ استعمار میں طاقتور ملک کے سرمایہ دار کمزور ممالک پہ فوج کشی کر کے انہیں اپنا محکوم بنا لیتے ہیں۔ جس طرح برطانیہ کے سرمایہ داروں نے پہلے ایک کمپنی کی صورت میں اور بعد میں براہ راست انگلینڈ کی شاہی حکومت کے ذریعہ ہمارے وطن عزیز پاکستان کو دو سو سال تک محکوم اور نوآبادی بنائے رکھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ استعماری ملک کے سرمایہ دار تو ذاتی نفع اور لالچ کی خاطر یہ سب کچھ کرتے ہیں لیکن ان کے عوام انہیں اس بات سے کیوں نہیں روکتے کہ تم اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملک کی افواج کو استعمال نہ کرو۔ کسی ملک کی حکومت جب فوج قائم کرتی ہے۔ اور فوج کے اخراجات کے لئے اپنے ملک کے عوام سے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ تو انہیں بتاتی ہے کہ یہ فوج ملک کے تحفظ

اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھرتی کی جارہی ہے۔ اس کے بعد جب یہی فوج اپنے ملک کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور ایک کمزور ملک پر حملہ کرتی ہے۔ تو عوام جن کے ٹیکس یعنی چندوں سے فوج کے اخراجات پورے ہورہے ہوتے ہیں، انہیں اپنی حکومت سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ کہ ہماری فوج وطن کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور جو کارروائیاں کررہی ہے۔ ان کا مقصد کیا ہے۔؟ نیز فوجی نوجوان بھی یہ سوال کرسکتے ہیں۔ کہ ہمیں وطن کی حفاظت کے لئے بھرتی کیاگیا تھا۔ اور اب وطن سے دور ایک کمزور ملک پر حملہ کرنے میں ہمیں کیوں استعمال کیا جارہا ہے۔؟

ٹیکس دہندہ عوام اور فوجی نوجوانوں کے اس معقول سوال کا جواب دینے کے لئے استعماری ملک کے سرمایہ داروں نے ایک فلسفہ اختراع کیا ہوا ہے، جسے استعمار کا فلسفہ کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے:

استعماری ملک کے سرمایہ دار اپنے عوام کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری تہذیب ہماری قوم اور ہمارا مذہب دنیا میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ نیز پسماندہ اور کمزور ممالک میں غیر مہذب وحشی بدمذہب اور گنوار لوگ بستے ہیں۔ جب عوام سرمایہ داروں کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کا پوری طرح شکار ہوجاتے ہیں اور یقین کرلیتے ہیں کہ واقعی ہمارے ملک سرحدوں سے باہر کی دنیا تہذیب وتمدن سے عاری ہے تو سرمایہ دار ایک قدم آگے بڑھتے ہیں۔ اور اپنے عوام کو سمجھاتے ہیں کہ ہمارا قومی اور مذہبی فرض ہے۔ کہ ہم اپنی طرح دوسروں کو بھی مہذب شائستہ اور بااخلاق بنائیں، ظاہر ہے کہ یہ باتیں عوام کی فوری تائید حاصل کرلیتی ہیں۔ اور اس طرح سرمایہ داروں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے اپنے وطن کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور بسنے والی اقوام کے معاملات میں دخل اندازی کا اپنے ملک کے عوام کی طرف سے اختیار مل جاتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ یورپ کے تمام استعماری ملکوں نے مشرق ومغرب میں جہاں بھی نوآبادیاں قائم کیں ان کی ابتدا تہذیب شائستگی اخلاق اور مذہب کے نام پر ہوئی ہے۔ برصغیر پاک وہند ہو یا جزائر شرق الہند، انڈونیشیا ہو، ہندچینی ہو یا افریقہ کے ممالک ہوں۔ ہر جگہ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ جرمنی، پرتگال اور اسپین جیسے استعماری ملکوں کے پادری حضرت مسیح کے نام پر لوگوں کو مذہب اور اخلاق کی تعلیم دینے کے نام پر اور غیر مہذب اقوام کو مذہب اور شائستہ بنانے کے بہانے گئے۔ چند سالوں بعد کہیں تجارت اور کہیں تعلیم کے نام پر دوسرے ماہر پہنچے اور اس کے چند سال بعد پادریوں تاجروں اور معلموں کی حفاظت کے نام پر فوجی دستے بھیجے گئے اور رفتہ رفتہ فوج بڑھتی

گئی مقاصد بدلتے گئے اور ایک دن ایسا آپہنچا کہ استعمار ننگا ہو گیا۔ جو برصغیر میں مصالح بن کر آئے تھے جو پادریوں اور تاجروں کے روپ میں آئے تھے انہوں نے مئی ۱۸۵۷ء دہلی کے خونی دروازے پر اس دیس کے آخری تاجدار کے پورے خاندان کو بیدردی سے قتل کر دیا اور بوڑھے بادشاہ کو عمر قید کی سزا دے کر ملک سے دور بھیج دیا۔ اسی طرح دوسرے استعماری ملکوں نے بھی کیا ہے۔ فرق صرف تاریخوں اور قتل و غارت کے اداب کا ہے۔

ہاں! تو بات یہ ہو رہی تھی کہ استعماری ملک کے سرمایہ دار کمزور ملکوں پہ فوج کشی کے لئے حیلے بہانے کر کے ایسے جواز پیدا کر لیتے ہیں جن سے ان کے اپنے ملک کے عوام مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور فوجی جوان بھی استعمار کے مذموم مقاصد کے لئے جان دینے پہ تیار ہو جاتے ہیں۔

آج کی دنیا پہلے کی نسبت زیادہ باخبر ہے۔ نیز مذہب اور تہذیب کا تقدس بھی باقی نہیں رہا۔ اس لئے جدید استعمار کمزور ملکوں میں فوجی مداخلت کے جواز کے لئے نئے قسم کے بہانے تراشتا ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

اٹلی | اٹلی ایک استعماری ملک تھا۔ اس نے طرابلس (لیبیا) میں کچھ لوگوں کو بسا دیا تھا اور بعض کو عیسائی بنا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس کے بعد ترکی پر الزام لگایا کہ طرابلس میں اٹلی کے باشندوں اور مقامی عیسائیوں پر ظلم ہو رہا ہے اور ترکی کی حکومت اس ظلم کی روک تھام کا بندوبست نہیں کرتی تاریخ شاہد ہے کہ ابھی ترکی نے اس جھوٹے الزام کا جواب بھی نہیں دیا تھا کہ اٹلی کی فوجوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا تھا۔

فرانس | فرانس نے ہند چینی میں دین مسیح کی تبلیغ کے بہانے چند پادری بھیجے تھے جنہوں نے چند مقامیوں کو عیسائی بنا لیا تھا اور پھر ان پادریوں اور مقامی عیسائیوں کی حفاظت کے بہانے ہند چینی پہ باقاعدہ فوج کشی کی اور پورے ملک کو نوآبادی بنا لیا تھا۔

ایک استعماری دلیل | استعماری ملکوں کے سرمایہ دار کمزور ملکوں میں فوجی مداخلت کر کے انہیں نوآبادیوں میں تبدیل کر لینے کے جواز میں ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ بعض اقوام کو قدرت نے دوسروں پر حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قومی برتری کا فلسفہ نازی جرمنی کے لیڈر ہٹلر نے پیش کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جرمن قوم ہی خدا کی محبوب قوم ہے۔ اور اس قوم کا پیدائشی حق ہے کہ یہ دنیا بھر کی اقوام پہ حکومت کرے۔ ہٹلر نے قومی برتری کا تصور کچھ اس انداز میں پیش کیا تھا کہ جرمنی کے غریب مزدور بھی کمزور ملکوں پر جرمنی کے سرمایہ داروں کی برتری اور غلبہ کی حمایت کرنے

لگ گئے تھے۔

غرض استعمار کمزور ملکوں پر قبضہ کرنے کے لئے فوجی قوت استعمال کرتا ہے۔ اور اپنے اہل وطن سے جن کے چندوں سے فوج کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، مختلف حیلوں بہانوں سے فوجی کارروائی کے اختیارات حاصل کر لیتا ہے۔ باقی رہی حکومت تو وہ سرمایہ داروں ہی کی مرضی کا آلہ ہوتی ہے۔ غریب عوام کو پہلے تو حکومت میں مداخلت کا حق ہی نہیں دیا جاتا اور جہاں کہیں انتخابات ہوتے ہیں وہاں عوام کو صرف اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ملک پر حکومت کرنے کے لئے سرمایہ داروں کے کس گروہ کو پسند کرتے ہیں۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ دار برائے نام چند پارٹیاں بنا لیتے ہیں اور پھر عوام سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ ان پارٹیوں میں سے کس پارٹی کو حکومت دی جائے۔ عوام جس پارٹی کے حق میں ہاتھ کھڑا کر دیتے ہیں وہ حکمران پارٹی بن جاتی ہے۔ اور دوسری پارٹیوں کے سرمایہ دار بھی اس پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ عوام کم علمی کے باعث خیال کرتے ہیں کہ حکومت ان کی ہے۔ اور ان کی رائے سے بنی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ حکومت سرمایہ داروں کی ہوتی ہے اور عوام بیچارے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ کسی ایک سرمایہ دار یا سرمایہ داروں کے گروہ کی تائید کریں۔

یہ تھا استعمار، اس کے مقاصد اور طریق کار۔ ہمارا عنوان جدید استعمار ہے۔ ہم نے جدید استعمار ہی کے خدوخال عزائم و مقاصد اور طریق کار پر گفتگو کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن جب تک مطلق استعمار پر روشنی نہ ڈالی جاتی اس وقت تک جدید استعمار واضح نہیں ہوتا تھا اس لئے ہم نے پہلے مطلق استعمار کا بیان کیا ہے۔

جدید استعمار اسی استعمار کے کھنڈرات پر تعمیر ہوا ہے جس کی کسی قدر تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ اس استعمار کے زوال کے کیا اسباب تھے۔؟ اس کے بعد انشاء اللہ جدید استعمار پر بحث کی جائے گی۔

استعمار کا زوال | دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹ تا ۱۹۴۵ء) سے پہلے ساری دنیا بدترین قسم کے استعمار کا شکار تھی مشرق میں جاپان مغرب میں برطانیہ فرانس جرمنی ہالینڈ پرتگال اور سپین وغیرہ استعماری ملک تھے باقی دنیا ان کی زرخرید غلام کی حیثیت رکھتی۔ نئی دنیا پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کا قبضہ تھا کینیڈا برطانوی استعمار کا بازو تھا جس طرح مشرق بعید میں آسٹریلیا تھا۔ جاپان بھی استعماری ملک تھا، یہ چاہتا تھا کہ پورے مشرق میں نہ سہی کم از کم مشرق بعید

میں اسکی برتری کو ضرور تسلیم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے جاپان نے مشرق بعید میں مغربی استعمار کے خلاف باغیانہ خیالات کی حوصلہ افزائی کی جہاں کہیں مغرب کے خلاف تحریکیں اٹھیں جاپانیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ انڈونیشیا میں ہالینڈ کے خلاف اور برما اور ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف تحریکوں سے تعاون کیا آزاد ہند فوج سے جاپانیوں کا تعاون اس کی واضح مثال ہے۔

دوسری طرف مغرب کے عین مرکز میں نازی جرمنی تھا۔ اس نے دوسرے حریف استعماری ملکوں کے خلاف نوآبادیوں میں ابھرنے والی تحریکوں کا ساتھ دیا اور ساتھ ہی ساتھ مغربی حریفوں کی مخالفت اور ان کے مذموم عزائم کی پردہ دری کرتا رہا۔ ۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہوئی تو مشرق میں جاپان اور مغرب میں جرمنی کو شاندار فتوحات نصیب ہوئیں ان فتوحات کا باعث صرف جرمنی اور جاپان کی اعلیٰ فوجی صلاحیت ہی نہ تھی بلکہ مغربی استعمار سے تنگ ہوئے غریب عوام کا جذبہ بھی تھا۔ خود اپنے وطن کے ماضی پر نظر ڈالیں۔ یہاں کے غریب عوام جرمنی اور ہٹلر کا نام احترام سے لیتے تھے۔ اور جنگ کے دوران برطانیہ کے عزائم کی مذمت کرتے تھے۔ اس صورت حال نے مغربی استعمار کو نئی پالیسی (حکمت عملی) مرتب کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ نئی پالیسی ان دلائل کے خلاف تھی جن کے سہارے استعمار کا فلسفہ چل رہا تھا۔ پہلے جاپان اور جرمنی نے یہ کہنا شروع کیا کہ مغرب کے استعماری ممالک اپنی اپنی نوآبادیوں کے مقابلہ میں زیادہ مہذب یا شائستہ نہیں ہیں اور انہیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ کمزور ممالک پر اپنی برتری جتائیں بعد میں مغربی استعماری ممالک نے جنگ میں کامیابی سے مایوس ہو کر خود بھی اعتراف کر لیا کہ دنیا کی سب قومیں برابر ہیں۔ اور کسی کو کسی پر حکومت کا حق حاصل نہیں ان کا مقصد جرمنی اور جاپان کی قومی برتری کے تصور کو باطل ثابت کرنا تھا۔ غرض استعماری ممالک کی باہمی کشمکش نے ان تمام دلائل کی تردید کر دی جن کے سہارے استعمار کا فلسفہ قائم تھا۔

۱۹۴۵ء میں جنگ ختم ہوئی تو استعمار ممالک کا حال یہ تھا کہ مقبوضات اور نوآبادیوں کی حفاظت یا ان پر تسلط قائم رکھنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ ایک تو اس لئے کہ نوآبادیوں میں آزادی پسند منظم ہو چکے تھے اور دوسرے اس لئے کہ ان کی اپنی فوجی قوت مفلوج ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں انڈونیشیا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ جنگ سے پہلے اس ملک پر ہالینڈ کا قبضہ تھا۔ جنگ کے دوران آزادی پسندوں نے جاپان کی مدد سے ہالینڈ کو ملک بدر کر دیا۔ نیز جرمنی نے ہالینڈ پر بھی قبضہ کر لیا تھا گویا ہالینڈ نام کا کوئی ملک تھا ہی نہیں جب ہالینڈ کی فوجیں انڈونیشیا کو خالی کر

گئیں تو جاپانیوں نے ان کی جگہ لینے کی کوشش کی لیکن جلد ہی جاپان بھی شکست کھا گیا۔ اور اس طرح مشرق بعید کا یہ عظیم ملک آزاد ہو گیا۔ جنگ کے بعد اتحادیوں کی مدد سے ہالینڈ کی سلطنت بحال ہوئی تو یہاں کے سرمایہ داروں نے انڈونیشیا پر پھر سے قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ یہی حال ہند چینی کا تھا یہاں بھی جنگ کے دوران آزادی پسند غالب آ گئے تھے اور فرانس اپنی فوجیں نکال لے گیا تھا۔ لیکن جنگ کے بعد فرانس کے سرمایہ داروں کو پھر سے ہند چینی پر قبضہ کرنے کا خیال آیا لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔

یہ تھے استعمار کے زوال کے اسباب جنکا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ استعماری ممالک ایک دوسرے کے مخالف تھے۔

۲۔ جنگ کے دوران ان دلائل کی تردید ہو گئی جن کے سہارے استعمار کا فلسفہ قائم تھا۔

۳۔ جب استعماری ممالک جنگ میں الجھے ہوئے تھے اس وقت نوآبادیوں کے آزادی پسند منظم اور متحد ہو رہے تھے۔

۴۔ جنگ کے بعد استعماری ملکوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ نوآبادیوں پر پھر سے قبضہ کر سکیں۔

۵۔ ہالینڈ نے انڈونیشیا اور فرانس نے ہند چینی پر دوبارا قبضہ کرنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔

استعمار کے زوال کا ایک زبردست سبب یہ بھی تھا کہ روس میں سوشلسٹ حکومت قائم ہو چکی تھی اس حکومت کا قائم ہو جانا استعماری طاقتوں کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کے لئے ایک حوصلہ اور سہارا تھا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ سوشلزم کی عالمی تحریک نے بھی استعمار کے زوال کی رفتار کو تیز تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

دیانتداری اور خدمت ہمارا شعار ہے

ہم اپنے ہزاروں کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے

پستول مارکہ آٹا

پسند فرما کر ہماری حوصلہ افزائی کی ہے

ہمیشہ پستول مارکہ آٹا استعمال کیجئے جسے آپ بہتر پائیں گے

★ نوشہرہ فلور ملز جی۔ ٹی روڈ نوشہرہ۔　فون نمبر 126

پرانے استعمار کے زوال کے بعد جدید استعمار کا ظہور ہوا۔ اس سے پہلے کہ

جدید استعمار | یہ بتایا جائے کہ جدید استعمار کیونکر پیدا ہوا ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جدید استعمار کی تعریف اور اس کا مفہوم واضح کر دیا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ جدید استعمار کس اعتبار سے قدیم استعمار سے مختلف ہے۔

جدید استعمار سے مراد ریاستہائے متحدہ امریکہ کا وہ نظام ہے جس کے مطابق اس ملک کے سرمایہ دار اپنے ہی ملک کے عوام کو لوٹتے ہیں۔ یہ استعمار کی بدترین صورت ہے۔

قدیم استعمار میں ایک ملک کے سرمایہ دار دوسرے کمزور ملک کے عوام کو لوٹتے تھے۔ لیکن جدید استعمار میں استعماری ملک یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ دار اپنے ہی ملک کے عوام کو لوٹتے ہیں۔

قدیم استعمار میں لوٹ کے مراکز سرحدوں سے باہر ہوتے تھے اور جدید استعمار میں لوٹ کے مراکز اندرون ملک میں ہیں۔

قدیم استعمار دور دراز کے ملکوں کو نوآبادیوں میں تبدیل کر دیتا تھا اور جدید استعمار میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ داروں نے اپنے ہی ملک کو نوآبادی بنالیا ہے۔

قدیم استعمار میں فوج سرحدوں سے دور نوآبادیوں میں عوام کو دبانے کے لئے استعمال کی جاتی تھی اور جدید استعمار میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوج اپنے ہی ملک کے عوام کو دبا رہی ہے۔ اور انہیں لوٹ رہی ہے۔

میرا خیال ہے ان اشارات سے جدید استعمار کا تصوّر واضح ہو جاتا ہے۔ آئیے اب جدید استعمار کے فلسفے اور طریق کار کا جائزہ لیں۔

جدید استعمار کا فلسفہ | استعمار کی کوئی صورت ہو فوج کا استعمال ضروری ہے اور فوج کے اخراجات عوام برداشت کرتے ہیں۔ اس لئے عوام کو اطمینان دلانا کہ فوج کا استعمال ظلم کے لئے نہیں ہو رہا، ضروری ہے نیز خود فوج کے لئے بھی اس امر کی وضاحت لازمی ہے کہ اس کے لڑنے کا مقصد کیا ہے۔ اس لئے عوام اور فوج کے اطمینان کیلئے جدید استعمار بھی قدیم استعمار کی طرح ایک فلسفہ پیش کرتا ہے، سوشلزم کی مخالفت اور جمہوریت کی حفاظت کا فلسفہ۔

جدید استعمار اپنے عوام اور فوجی جوانوں کو یقین دلاتا ہے کہ سوشلزم ایک عذاب ہے۔ اور اس سے آزادی اور جمہوریت کو زبردست خطرہ ہے اور اس خطرے کا مقابلہ کرنا

ضروری ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی جو فوجیں ویت نام میں لڑ رہی ہیں ان کے اخراجات امریکی عوام برداشت کر رہے۔ اور عوام کو بتایا گیا ہے کہ ویت نام میں سوشلزم کا خطرہ ہے۔ اور اگر اس علاقے میں سوشلسٹ آ گئے تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے وہ مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ جو مشرق بعید کے ممالک میں ہیں اور ان مفادات کو خطرہ لاحق ہو گیا تو ریاستہائے متحدہ امریکہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ویت نام میں سوشلزم کے خطرے کی روک تھام کی جائے اور اس مقصد کے لئے فوجی مداخلت ضروری ہے۔

ویت نام یا کسی دوسرے ملک میں فوجی مداخلت سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ داروں کا اصل مقصد اپنے ملک کے عوام کو لوٹ کر نفع اندوزی کی پیاس بجھانا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

دوسری عالمی جنگ سے پہلے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پاس فوجی ساز و سامان کی خاصی مقدار تھی۔ اور اگر جنگ نہ شروع ہوتی تو اس ملک کے وہ کارخانے بند ہو جاتے جن میں فوجی سامان تیار ہو رہا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی تو اتحادیوں نے امریکی صنعت کاروں کو ان کی منہ مانگی قیمتیں دے کر ان سے فوجی سامان خریدنا شروع کر دیا۔ یورپ کی معیشت تباہ ہو چکی تھی، جرمنی فوجوں نے یورپ کے کم و بیش تمام صنعتی مراکز تباہ کر ڈالے تھے اور تمام تر اسلحہ اور دوسرا جنگی سامان ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی سے آتا تھا۔ امریکی صنعت کاروں نے فوجی صنعت کو نفع بخش کاروبار سمجھ کر اس میں خوب سرمایہ لگایا۔ اور بے پناہ ترقی کی۔

۱۹۴۵ء میں جنگ بند ہو گئی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوجی مصنوعات کی مانگ گر گئی۔ اب اس ملک کے صنعت کار سرمایہ داروں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جنگ جاری رہے تاکہ ان کا اسلحہ اور فوجی سامان فروخت ہوتا رہے اس مقصد کے لئے جدید استعمار کا فلسفہ تراشا گیا اور پہلے کوریا میں پھر کیوبا اور ویت نام میں جنگ شروع کر دی گئی۔ یہ جنگ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوجیں لڑ رہی ہیں۔ ان فوجوں کے اخراجات ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عوام برداشت کر رہے ہیں اور چند صنعت کار سرمایہ دار اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور چند صنعت کار سرمایہ دار اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کا مال بک رہا ہے اور کارخانے چل رہے ہیں۔

گویا ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوجیں ملک کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور لڑ رہی ہیں اور جس ملک کو لوٹا جا رہا ہے وہ لڑنے والی فوجوں کا اپنا ہی وطن ہے۔ یہ ایک اور فرق ہے قدیم استعمار اور جدید استعمار میں۔ قدیم استعمار میں فوجیں جس ملک پر حملہ کرتی تھیں وہ نوآبادی بن جاتا تھا۔ اور وہاں کے عوام کو عملہ آور ملک کے سرمایہ دار لوٹا کرتے تھے۔ لیکن جدید استعمار میں حملہ کوریا یا ویت نام پر کیا جاتا ہے۔ اور لوٹے جانے والے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عوام ہیں۔

برطانیہ کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل اپنی کتاب وار کرائمز ان ویت نام (WAR CRIMES IN VIETNAM) جس کا اردو ترجمہ ادارہ نگارشات لاہور نے شائع کیا ہے، میں لکھتا ہے:

"عیسائی مبلغوں کو ویت نام کے وحشیوں کی جوابی کارروائی سے بچانے کے بہانے فرانسیسی بحری جہاز ۱۸۴۰ء کے قریب ویت نام میں داخل ہوئے"

یہ عیسائی مبلغ کون تھے۔؟ رسل کہتا ہے:

"یہ ویت نام کے وحشیوں کو عیسائیت کے نور سے مالامال کرنے کے بہانے آئے تھے"

یہ عیسائی مبلغ ویت نام میں فرانس کی حمایت کرنے والا ایک طبقہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ رسل لکھتا ہے:

"جو ویت نامی عیسائی ہو گئے تھے اور جو سفید فام انسان کے ایمان کی برتری کے آگے شعوری طور پر جھکتے تھے۔ فرانسیسیوں کے لئے نسبتاً زیادہ قابلِ اعتماد تھا"

دیکھا آپ نے کسطرح دین اور مذہب کے نام پر تہذیب اور تمدن کے بہانے اور محض اصلاحی اور خدمت خلق کے جذبے کا نام لیکر جو پادری ویت نام پہنچے، انہوں نے فرانس کی فوجوں کے لئے ویت نام میں مداخلت کا جواز پیدا کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دیت نام کے عوام میں فرانس کے لئے قابلِ اعتماد ایک گروہ بھی منظم کر دیا۔ یہ تھی قدیم استعمار کی ابتدائی صورت اور اس کا طریق کار۔

جدید استعمار جس کا آغاز دوسری عالمی جنگ میں ہوا ہے۔ اس کی ابتدائی صورت اور اس کا طریق کار کیا تھا۔؟ اس سلسلے میں رسل کہتا ہے:

۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء کو امریکی صدر نے تجارتی رسالوں کے ناشروں اور مدیروں سے یوں خطاب کیا تھا: "جیسا کہ آپ کو علم ہے، برطانیہ کو اس جنگ میں

پیسے کی ضرورت ہے۔ اور وہ دنیا بھر میں بہت سی چیزوں مثلاً ٹرام گاڑیوں اور بجلی کی کمپنیوں کا مالک ہے۔ اب بات یوں ہے کہ اس جنگ کو جاری رکھنے میں ممکن ہے برطانیہ کو ان ملکیتوں کا قبضہ چھوڑنا پڑے اور شاید ہم اسکی جگہ لے سکیں۔ تا انتظام کر سکیں۔ یعنی انہیں بالآخر مقامی لوگوں کے قبضے دینے کے لئے مدد مہیا کر سکیں۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ بات ہے اور ہمارے مستقبل کی نجات کے لئے بہت اہم بھی۔"

اس اقتباس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جدید استعمار نہ صرف یہ کہ قدیم استعمار کی جگہ قائم ہوا ہے۔ بلکہ جدید استعمار کے بانیوں نے قدیم استعمار کی جگہ لینے کا باقاعدہ پروگرام بنا رکھا تھا۔ برٹرینڈ رسل کا خیال ہے کہ جدید استعمار نے قدیم استعمار کی جگہ لینے کے بعد فوجی کارروائیوں اور لوٹ گھسوٹ کا وہی طریقہ اپنایا ہے۔ جو قدیم استعمار کا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"یہ جنگ (ویت نام کی موجودہ جنگ) اس لئے لڑی جا رہی ہے کہ اس علاقے کی دولت پر امریکی سرمایہ داروں کے مستقل قبضے کی حفاظت کی جا سکے۔"

رسل اپنے اس خیال کی تائید میں امریکی اخبارات سے عبارتیں نقل کرتا ہے۔

"۱۲ فروری ۱۹۵۰ء کو نیو یارک ٹائمز نے لکھا تھا کہ ہند چینی ایک ایسا تحفہ ہے جس کے لئے ایک بڑا جوا کھیلا جا سکتا ہے۔ شمال میں ٹین، ٹنگسٹن، مینگانیز، کوئلہ، عمارتی لکڑی، چاول، ربڑ، چائے، کالی مرچیں اور کھالیں ہیں جو برآمد کی جا سکتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بھی ہند چینی ۳۰ کروڑ ڈالر نفع دیتا تھا۔"

پھر لکھتا ہے:

"ایک سال بعد امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک مشیر نے مندرجہ ذیل بات کہی تھی:

ہم نے (امریکہ نے) جنوب مشرقی ایشیا کے وسائل کو ابھی جزوی طور پر استعمال کیا ہے۔ تاہم جنوب مشرقی ایشیا دنیا بھر کے ربڑ کا ۹۰ فیصد، ٹین کا ۶۰ فیصد اور ناریل وغیرہ کے تیل کا ۸۰ فیصد فراہم کرتا ہے۔ بشکر چائے، کافی، تمباکو،

پھل، مصالحے، گوند، پٹرول، خام لوہا اس علاقے میں بڑی مقدار میں موجود ہیں"

رسل مزید لکھتا ہے:

"۱۹۵۳ء میں جب فرانسیسی امریکی مدد کے سہارے ابھی ویت نام میں لڑ رہے تھے۔ تو صدر آئزن ہاور نے بیان دیا تھا:

"آئیے! فرض کریں ہم ہند چینی کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر ہند چینی ہاتھ سے نکل جائے، تو ٹین اور ٹنگسٹن جس کی ہمیں اس قدر ضرورت ہے آنا بند ہو جائیں گے۔ ہم اس خوفناک حادثے کو روکنے کے آسان اور سستے طریقے کی تلاش میں ہیں جس سے ہند چینی اور جنوب مشرقی ایشیا کی دولت اپنے حسب منشا حاصل کرنے کی قابلیت ہمارے ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔"

ان عبارتوں سے لارڈ برٹنڈرسل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امریکہ یعنی جدید استعمار ویت نام وغیرہ ممالک میں فوجی مداخلت جس مقصد کے لئے کر رہا ہے وہ وہی ہے جو قدیم استعمار کا تھا یعنی اس علاقے کی دولت سے فائدہ اٹھانا۔ گویا امریکی سرمایہ دار ویت نام (جو ہند چینی کا ایک حصہ ہے) اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو سونے کے انڈے دینے والی مرغی تصور کرتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ کسی طرح بھی یہ مرغی ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔

ہم نے اوپر کہا تھا کہ جدید استعمار کا مقصد کمزور ملکوں کو لوٹنا نہیں بلکہ ان میں فوج کشی کر کے اپنے ہی عوام کو لوٹنا ہے۔ سچ پوچھیں تو لارڈ رسل نے جدید استعمار کے فلسفے کی صرف ایک دلیل پیش کی ہے ورنہ اصل مقصد وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس جو شہادت ہے وہ رسل کے بیانات سے زیادہ معتبر ہے۔ یہ شہادت جزائر غرب الہند امریکہ کی ریاست ڈومنکن کے سابق صدر "جان بوش" کی کتاب پینٹاگون ازم (PENTAGONISM) ہے۔ اس کتاب کا مصنف جدید استعمار کا ہمسایہ بلکہ حریف ہے۔ اس نے چشم دید حقائق پیش کئے ہیں اور بتایا ہے کہ:

جدید استعمار امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں صنعت کاروں اور فوجی جرنیلوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ نفع اور نقصان میں ایک دوسرے کے ساتھی اور شریک ہیں سرمایہ دار سرمایہ دیتے ہیں، صنعت کار اسلحہ سازی کے کارخانے چلاتے ہیں اور فوجی جرنیل قومی خزانے سے قیمت دلا کر اسلحہ خرید لیتے ہیں۔ سرمایہ کاری اسلحہ

سازی اور اسلحہ کی خرید کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اسلحہ استعمال ہوتا رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ویت نام یا دنیا کے کسی دوسرے علاقے میں جنگ جاری رہے۔ یہ بات رسل نے بھی تسلیم کی ہے کہ امریکہ ویت نام میں جنگ بڑھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۶۴ء کے اخبار ابزرور (OBSERVER) کے حوالے سے لکھتا ہے:

اصل مصیبت یہ ہے کہ جہاں ریاستہائے متحدہ امریکہ جنگ کو بڑھانا چاہتا ہے۔ وہاں ویت نامیوں کی خواہش صرف اتنی ہے کہ جنگ کو ختم کر دیا جائے۔"

(باقی آئندہ)

With Compliments Of

HUSEIN INDUSTRIES LIMITED

Habib Square, Bunder KARACHI-2.

Telephone : 228601 (3Lines) Cable : COMMODITY

MANAGING AGENTS:

HUSEIN EBRAHIM AGENCIES LIMITED

TEXTILE DIVISION

HUSEIN TEXTILE MILLS

LANDHI KARACHI

Telephone : 48007 (3 Lines)

STEEL DIVISION

HUSEIN STEEL TUBES

Office : 11 Ramjoy Mohajan Lane Khatunganj CHITTAGONG

Phone : 84867 Cable : HARMONY

FACTORY : 83 Fouzdarhat Industrial Estates CHITTAGONG.

---o---

HUSEIN SUGAR MILLS LIMITED

Head Office:

Habib Square, Bunder Road, KAKACHI—2

Phon : 228601 (3 Lines) Cable : COOMMODITY

MILLS

JARANWALA (DIST: LYALLPUR)

Telephone : 83